

آخرتی۔ حکیم صاحب کو بپنچ دکھا کے۔ آپ نے سب سنائیں میرے چھا پیدا ہوئے ہیں، میں نے تو زندگی بھرنے کسی چھا کو دیکھانہ نام سنایا، یہ میاں مرآد علی نے کوئی چھانکا لے ہیں، مشکل یہ ہے کہ ماموری جان کو اُس کی بات کا یقین ہے۔

حکیم صاحب۔ آپ خاموش رہئے۔ میں نواب مرزا صاحب سے مل لوں یا تو وہ اُس کی نقیش کو تکلیف گے یا میں جاؤں گا، چار دن میں چھا بجا کا حال معلوم ہو جائے گا۔ آخرتی۔ میرا کوئی چھا ہنس ہے۔ کیون تکلیف کچھے جاؤں کے دن سفر کی زحمت۔

حکیم صاحب۔ مگر اس اشتہار کا جعل کھولنا ضرور ہے، میاں مرآد علی کی قلمی ایک مرتبہ کھول دی جائے، پھر ان ہو جائیں گا۔ آپ یہ جعلیوں کے قانونی پیچ ہنس جانتیں۔ اس معاملہ میں خاموشی سے نقصان پہنچ جائے گا۔

آخرتی۔ اچھا جیسا مناسب ہوا میں نے فقط آپ کی تکلیف کے خیال سے کہا تھا اور پھر کہتی ہوں کہ یہ چھا و چا کوئی ہنس ہیں، مرآد علی کا فقرہ ہے۔

حکیم صاحب۔ آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ کہتے جعفری سُکم سے کیسے بنی۔ آخرتی۔ فنیض آباد سے آنے کے بعد مزاج زیادہ بگردگی کیا ہے۔ مگر ہم بھی تسلیم کی خود ایسے گے

بلے نیازی تری عادت، ہی ہی

آپ تو ہم اُنہی یہی رنجیوں کے عادی ہو گئے ہیں، آب زیادہ بُری ہنس معلوم ہوتیں اور حق اُنہیں کی طرف ہے مجھے وہ اس گھر میں مدد زادہ بُری ہیں اور یہ سچ ہے یہ سب اس رازداری کا قصور ہے مگر آجکل زیادہ بُری ہی کا سبب نہ معلوم ہوا۔

بات یہ ہے کہ پہچا سہ والا ٹکڑا جعفری نے حکیم صاحب سے نہیں کہا اسلئے کہ فدا اس میں چھوٹے بہنوں کی آنکھوں میں حقارت کا اندر لیشہ لھا اور یہ جعفری کی ثرا ف

تھی، کہ اپنے گھر کی بات باوصاف سخت رنجش کے بھی زبان سے نہ تکلنا۔

حکیم صاحب - دیکھئے اب اس راز کے کھلنے میں زیادہ دن باقی نہیں ہیں اور تو کچھ نہیں اس مراد علی مردود کی ذات سے دن رات خون لگا رہتا ہے اور مامور جان اُس کے فریب میں آگئے ہیں، وہ بزرگ ہیں فہماںش کی مجال نہیں، یہ متعدد جس نے مامور جان کو سخت پریشان کر رکھا ہے، اور ان کی پریشانی کے وجہ مجھے خوب معلوم ہیں گو وہ مجھے سے نہ کہیں گے اور نہ میں پوچھ سکتا ہوں۔

اختری - معاف کیجئے کہ آپ کا قطع کلام ہوتا ہے۔ آج یہ صلاح دے رہا تھا کہ اختری کی کل جامداد اپنے نام منقول کر لیجئے۔

حکیم صاحب - ذرا تجھ سے اور بہم ہو کے، اس پر مامور جان نے کیا فرمایا، اور پھر آپ ہی آپ، مجھے مامور جان سے یہ توقع نہیں بلکہ دو اُس مردوں کی ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اختری - اُس کا بیان تھا کہ یہ مرے (اختری کے) لئے بہتر ہے اور یہ اس استحکام اور بلند آواز سے کہا تھا کہ شاید میرے سنانے کو کہتا تھا۔ پھر اگر واقعی اس میں کچھ بحث ہو تو میں بخوبی راضی ہوں۔ اور ہاں اپنے نام مامور جان کا مختار نامہ کرنا چاہتا ہے اس کی بہت جلدی کی کر رہا ہے۔

حکیم صاحب - اب خیریت نہیں نظر آئی تکسی بڑے جعل کی فکر ہے بلکہ صرف صاف یہ ہے کہ کوئی بڑی بھاری رقم اور ڈالنے کا قصد ہے۔ تو اس بھے لذاب مرزا صاحب سے فوراً مل کے اس کی روک تھام کرنا چاہیے روک تھام کسی پورا بندوبست کیا جائے گا۔

اختری - اور ہاں کہتا تھا کہ زیور اور جواہرات کو مغل کر کے ہرگز کے کبی مہا جن کا نام لیا تھا مجھے یاد نہیں رہا اُس کے پاس رکھوادینا چاہئے۔

## آخری بیکم

حکیم صاحب۔ اور کیا ماموں جان اُس کی ان سب باتوں پر راضی ہو گے۔  
آخرتی۔ یہ میں نہیں کہہ سکتی۔ شاید یہ جواب دیا تھا دیکھا جائے گا۔

حکیم صاحب۔ ماموں جان کو صاف انکار کرنا تھا، افسوس وہ اس مرد و حرام  
خود کو خیر خواہ جانتے ہیں۔

آخرتی۔ وہی نہیں حضرتی بیکم اُس کو اپنار فیق سمجھتی ہیں۔ ما میں اصلیں ختم کا  
سب اُس کا کلمہ پڑھتی ہیں۔

حکیم صاحب۔ آپ کی جلن سے اور لذکروں چاکروں کو وہ خفیہ تنخوا ہیں دیتا  
ہے پڑافتو ریہ ہے۔

آخرتی۔ ایک نادرتی اور ایک اُن کی کھلائی کر جین اور اُن کی دیکھا دیجی میں بھی یہ  
تن شخص اُس سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔

## باب ۱۴

### ہر مزی بیکم کا تبدیل آپ ہو اکرنا

ہر مزی بیکم کی والدہ خاندان سادات صحیح القب سیدوں کے نیک اعمال، منبر کی  
لوزانی چہرہ ماتھے پر سیاہ گھٹہ، فاکاری کا تنفس گورے چہرے پر ستارے کی طرح چینکتا تھا،  
مگر اب بیچاری دلوں پاؤں سے بے کام ہو گئی تھیں۔ اکثر قرآن و حدیث کے ارد اور جموں  
بیٹھے بیٹھے مطالعہ کیا کرتی تھیں۔ ہر مزی ضعیف ماں کی خدمت میں ہمہ تن معروف چھوٹے  
روز اسکول میں اور پھر کھانے پکانے میں بسرا ہوتے تھے۔ سخت محنت کرنا پڑتی تھی  
دس روپیہ ماہوار کے سوا اور کوئی وسیلہ نہ تھا۔ دلوں دقت دُولی پر اسکول آنے جانی  
تھی، لگھر کے سو درے سلف کے لئے ایک ایک کی خوشاب پیسے بھی دینا اور پھر کمپیں عورتوں  
کی باتیں سُنا۔ کم بجنت غریبی دہ بلا ہے کہ بلا وجہ بھی لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں،  
آخر ایک دن چکے سے ماں بیٹیوں میں یہ مشورہ قرار پایا کہ ہر مزی بر قعہ ڈال کے  
قریب شام خود کہیں دُور سے جہاں اُس کو کوئی پہچان نہ سکے ضرورت کی چیزیں خرید  
لایا کرے۔ سخت مجبوری کے عالم میں یہ طریقہ اختیار کرنا پڑتا تھا۔

ماں۔ بیٹا ہر مزی ہمارے خاندان میں کوئی اس طرح ہنس نکلا میں کیونکر کہوں  
کہ تم باہر نکلو۔

بیٹا۔ اماں کسی نے ہمارے کنبہ میں دس روپیہ کی اسکول کی نوکری بھی تو نہیں  
کی۔ مجبوری سے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ان کم بجنت کمپیں عورتوں کی باتیں سئنے سے تو

ہزار درجہ بہتر ہے۔ پھر پسیہ میں دھیلا چراتی ہیں۔ تم خاطر جمع رکھو میں اس طرح باہر نکلوں گی کہ کسی کو کانوں کا نبہرنہ ہو گی۔

ماں۔ بیٹی تو برقع ڈال کے شہر میں نکلے گی میں کیوں کر کہوں۔

بیٹی۔ آماں یہ ڈولی پر چڑھ کے نکلنا تو کسی حدیث میں نہیں لکھا۔ مطلب پڑھ سے ہے خدا نے چاہا اور کر بل جانا ہوا تو پھر عاد پیچہ کر کے نکلنا ہو گا۔ اونٹوں کی سواری قاطروں کی سواری پر سب نکلتے ہیں، یہی دہائی کا دستور ہے۔ ڈولی ڈنڈا تو فقط ہندوستان میں ہے (وہ جغرافیہ پڑھی تھی لفظ ہندوستان صحیح معنوں میں کہا تھا) کسی ملک میں یہ دستور نہیں، پاؤں توڑ کے عورتوں کا گھروں میں بیٹھنا کوئی اچھا دستور نہیں ہے۔

ماں۔ برقعہ میں لوگ تمہیں بچاں لیں گے ایسا نہ ہو کہ لوگ ٹوہ کریں۔

بیٹی۔ پہلے دیکھہ لیجئے میں کس طرح نکلوں گی۔ پھر آپ کا دل گواہی دے تو اجازت دیجئے اگا۔

ماں۔ بیٹی تو کس طرح نکلے گی نہ بایا میری عقل میں نہیں آتا۔

بیٹی۔ ہر مرزی نے ماں سے جھپٹ کے ایک برقعہ تیار کر رکھا تھا۔ اس برقعہ کی صفت یہ تھی کہ نئے کپڑے کا زنگا ہوا تھا مگر تی قدر پرانا معلوم ہوتا تھا۔ رنگ ایسا نہ تھا جس پر خواہ مخواہ نظر پڑے۔ ایک میم صاحبہ نے اس کو ایک بڑھیا کا چہرہ دیا تھا وہ اس طرح کا تھا کہ اگر بہت غور سے نہ دیکھا جائے تو اصلی معلوم ہو ماتھا۔ ہمارے ملک میں ایسے چہرہ کو بیجا کہتے ہیں مگر بیجا کی صورت ڈراوی ہوئی ہے۔ جس سے لڑکے ڈلاتے جاتے ہیں۔

یہ چہرہ ایک ادھیر گورے رنگ کی عورت کا معلوم ہوتا تھا کہ اگر برقعہ کسی وجہ سے کھل جائے تو بھی اصلی صورت برقعہ پوش کی نہ بیجا نی جائے، ہاتھوں میں سفید تین پاؤں میں سفید جوابیں بوٹ سادی وضع کا پورا سلیپر بادامی یہ باہر نکلنے کا تھا یہ ہر فری

لے پہنچ کے چککے تیار کر لیا تھا۔ پہنچے تو چہرہ لگا کے اُس نے ماں کو دکھایا جس سے زینب ملکم کو کہتا ہے اکہ اگر یہی چہرہ لگا کے کوئی باہر نکلے تو بھی کسی کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا ہے کہ بتا ہوا ہے۔ پھر اس پر بر قعہ وال کے اور پوری چادر پہچپے کہ کے ہر مرزا نے ماں کو دکھایا۔ ماں نے کہا، اچھا بیٹی تو جان۔ شرفت نادیوں کو اپنی آبرو کا خود ہی خیال چاہئے۔ پھر بھی احتیاط کی جانی تھی کہ جھپٹے وقت پر دیکھ بھال کے گھی میں کوئی نہ دیکھتا ہو گھر سے بکل جانی تھی اور لون میں لکڑی ضرورت کی سب چیزیں خرید لائی تھی، اس راز کے پھپاتے کی بڑی کوشش کی گئی تھی سوانح دلوں ماں بیٹیوں کے کسی کو کانوں کا ان اس کی خیرت تھی۔ یہ سامان طبیعت کے شوق یا سیر تماشے کی ہوں سے نہیں کیا گی تھا۔ بلکہ اصلی سبب مفلسی اور غیرت داری تھی۔ ہنایتِ محرومی کے وقت اُس سے کام بکل جانی اور پر محلہ سے ضرورت کی چیزیں خرید لائی تھی۔

اختری سے ملنے کے بعد ممکن تھا کہ افلاس کسی حد تک دُور ہو جاتا مگر جب اختری کچھ دینا چاہتی، ہر مرزا کی ماں سختی سے انکار کر دیتی، نہیں بیٹا ہم لوگ غریب آدمی دراسی آبرو رکھتے ہیں، اس دراسی آبرو کا ہم کو بڑا خیال ہے۔ دس روپیہ ماہوار جو ہر مرزا لائی تھے وہ ہمارے لئے بہت ہے۔ ہم کسی کے دستِ نگہ ہو کے اور خیرات کے مکملے کھا کے دنیا میں رہنا نہیں چاہتے۔ کی مرتبا نذرِ مددات یا امام حامی علیہ السلام کے نام سے جو کچھ دینا چاہی وہ صرف ایک یاد و مرتبہ اس کے بعد صاف انکار کیا۔ جس قدر اصرار ہوا اُس سے زیادہ انکار ہوا آخراً ایک دن ہر مرزا کی ماں ایک بیٹھی تھی ہر مرزا اسکوں میں تھی، اختری روئے۔ لگی اندر درو کے یہ کہا کہ آپ کو خوب معلوم ہو کہ میں بن ماں باب کی ہوں میرا دل بہت نازک ہے۔ میں آپ کو اپنی ماں سمجھتی ہوں اور ہر مرزا کو بہن، میری تقدیر میں ماں کی خدمت کرنی۔ خدا آپ کو بہن۔

ہر مَزِی کے سر پر سلامت رکھے۔ انسوں ہے کہ آپ نے میری طبیعت کو نہیں پہچانا۔ مجھے یہ ہے کہتے ہوئے وہم آتا ہے کہ بہن ہر مَزِی کی قسمت پر مجھے رشک ہے۔ آپ خود کی مرتبہ کہہ چکی ہیں کہ میں تجھے ہر مَزِی کی طرح اپنی بیٹی بھتی ہوں، مگر خطامعاف یہ زبانی ہے جب آپ کو بہن ہر مَزِی کے روپیے سے پرہیز نہیں ہے اور آپ اُسے اپنا مال سمجھیہ کے اٹھانی ہیں تو میرے پیسے سے آپ کو اس قدر انکار کیوں ہے۔ میری کس طرح تشفی، ہم کہ آپ مجھے بیٹی بھتی ہیں، یا تو آج سے آپ مجھکو اپنی لونڈی بنائیجئے یا صاف انکار کر دیجئے۔ یہ ظاہرداری مجھکو بھی پسند نہیں ہے۔ میں نے بہت گستاخ ہو کے یہ چند باتیں کہی ہیں۔ اور دست بستہ عرض کرنی ہوں کہ آج سے لونڈی اپنے کو آزاد مجھے گئی ہیں۔ آپ کو حُسم کرنا چاہئے۔ میرے ٹوٹے ہوئے دل کو چور جو رہ نہ کیجئے میں کیا ہے اسی طرح اُس مان کی خدمت میرے مقدمہ میں نہ تھی جس نے مجھہ کو پیدا کیا ہے۔ ایک طرف سے خدا کی مشیت نے بے اُس دوسری طرف سے ایک بزرگ واجب کہا تھا۔ ایک طرف سے خدا کی مشیت نے بے اُس دوسری طرف سے ایک بزرگ واجب۔

التعظیم سید زادی کی صد نے یہ کہتی جاتی تھی اور انکھوں سے آنسو جاری تھے۔ سخت سخت دل بھی اس انکساری سے مووم ہو جاتا، آخر زینت بیگم کو زیادہ انکار کا کوئی محل باقی نہ رہا اختری کے اخلاق نے زینت بیگم کو دبایا۔ اور ایک حرفاً انکار منہ سے کہنے کی فرصت نہ دی۔

ہر مَزِی کئی سال تک سخت محنۃ کرنے کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئی تھی۔ حکیم جعفر علی صاحب کو جو اکثر زینت بیگم کا علاج کر رہے تھے بلکہ ہر مَزِی کی نبض دکھانی گئی۔ حکیم صاحب نے کہا نبض میں بہت ضعف ہے، خفیت سی حرارت بھی ہے۔ ضعف تمام امراض کی اصل ہے، مناسب ہے کہ ہر مَزِی کچھہ دنزوں کے لئے آرام کریں کیونکہ اگر ضعف کی شدت سے خدا خواستہ بخار بڑھ گیا تو پھر مشکل سے دُور ہو گا اور یہ تو صاف

صاف نہیں کہا کہ جوان آدمی کو ایسی حالت میں وق ہو جاتی ہے لیکن اشارہ کنایہ سے بھی مرطلب ادا کر دیا)۔

زینب بیگم کے رشتہ کے ایک بھائی مدت سے رڑکی میں سکونت رکھتے۔ فوجی خدمت کے صلہ میں ان کو پچس بیگنہ قطعہ آراضی سرکار سے عطا ہوا تھا وہاں کھیتی بارٹی کر کے خوش گذران کرتے تھے ازینب بیگم کو کئی مرتبہ بلا یا مگر بعض وجہ سے وہاں گائے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ علیم صاحب سے مشورہ لیا گیا انہوں نے فرمایا رڑکی دامن کوہ میں دار قع ہے۔ معتدل آپ وہاں ہے نہ رکنگ کی وجہ سے بھی کسی قدر خنکی ہے غرض ہر طرح ہر مرزا کے لئے مناسب ہے وہی جانا چاہئے سید محسن علی (زینب بیگم کے رشتہ کے بھائی کا نام تھا) کو خط لکھا گیا انہوں نے فوراً جواب دیا کہ ہر مرزا تہنا نہ آئے باجی بھی آئیں وہاں سے روانگی کا تاریخ، میں اسٹیشن پر سواری لے کے آ جاؤں گا۔ میں تو خدا سے دعا ایں مانگتا تھا، باجی کا آنا باعث برکت ہو گا ضرور آئیں اور جلد آئیں۔

یہ لکھنا نضول ہے کہ اختری نے اس سفر کے لئے کافی سامان کر دیا تھا غرض اچھی تاریخ نیک ساعت دیکھ کے دونوں ماں پیٹیاں روائے ہو گئیں۔

# بایا

کچھ دنوں کے لئے وطن چھوٹا دیکھئے کیا خداد کھاماہے

رڑ کی اسیشن پر محسن علی سواری موجود تھے، دنوں ماں بیٹیوں کے بر قعے تیار ہو گئے تھے، مگر زینت بیگم بیماری دنوں پاؤں سے صعدہ رکھیں، آخر دو میں پر بھاکر بیل گاڑی پر لائی گئیں، محسن علی صاحبِ زراعت پیر آن کلیر سے کچھ فاصلہ پر بُردگی سے تین چار سیل کی دردی پر رہتے تھے، شام ہوتے ہوتے سواری پہنچی، مہماں تمازے کئے۔ محسن علی صاحب کی چھوڑکی لڑکوں میں صرف ایک لڑکی بھی تھی، بولٹ نام تھا، دیہاتی کچھا مکان مگر لپتا صاف سُتھرا۔ اس تھر کے تین رہنے والے بھتے ایک خود محسن علی ددسرے اُن کی بیوی، تیسرے لڑکی۔ ایک عورت گھر میں کام کا ج کرنی تھی وہ روزگاروں سے صبح کو آتی تھی اور شام کو حلی جاتی تھی۔ باہر کی نذکر تھے جو کھبیت کا کام کرتے تھے۔ دو گوئیاں ناگوری بیلوں کی تھی ایک گائے دو بھتیں، بھیریں، بکریاں، غرض کہ ہر طرح سے بھر پر اگھر تھا۔ شہری تکلفات شیر مال کباب کا تو دہاں ذکر بھی نہ تھا، البتہ دودھ دہی، گھری اراب گڑ (جس کو دہاں اندر کی کہتے ہیں) افراط سے۔ ان دنوں ماں بیٹیوں کے لئے ایک کوٹھری ایک دالان پہلے سے لیپ پت کے خالی کر دیا گیا تھا، دالان کے سامنے کا چھپر ان کے آنے سے ایک دن پہلے نیا پرگا تھا مکان گھنے درختوں کی آڑ میں نہر کے قریب تھا اس لئے گرمی کے موسم میں بھی سرد رہتا تھا۔ نہر کے پشتہ سے ایک پانی کا جھرنہ نہ کلا تھا، ایسے جھرنے نہروں کے کنارے

اکثر ہوتے ہیں۔ ان کا پانی نہایت سرد ہوتا ہے گویا پشتہ سے صاف (فلکٹ) ہو کے نکلتا ہے اس لئے صاف اور ٹھنڈا ہوتا ہے ایسا کہ برف کی ضرورت ہنسی ہوئی اپن دیہات میں کہاں، غریب کسانوں کے لئے خدا نے مفت ایسے سامان کر دئے، میں جو اہل شہر کو خرچ کرنے سے بھی ممکن نہیں ہو سکتے۔ اول تو صاف میدان کی ہوا جو چونہ سُرخی کی پختہ عمارتوں کی گرمی سے بچی ہوئی ہے درختوں سے نکلتے ہوئے وہ ہادہ حیات (اکسین)، ہوا جو شہر والوں کو میرہ نہیں ہر طرح کی غلاظت کشافت سے پاک، بنشہ طیکہ گوبرا اور کھاد کے انبار گھروں سے ذرا دُور ہوں اور مکانات مقدس مفید کارے کے فضلے سے بہت آسودہ اور مستعفون نہ ہوں، اس گھر میں ان دونوں ماں بیٹیوں کو بہت آرام ٹلا۔ میرزا بانوں نے ان نہمازوں کی بے تکلف سادہ دعویٰ میں ایسی سیر چشمی اور کشاہ پیشانی سے کیں کہ اگر ایک واقعہ نہ ہو جاتا جس کا دیگر اگر آئے گا، یہ تو ہمانی زندگی بھر کے لئے ایک عمدہ یادگار ہو جائی۔

محسن علی کی لڑکی بوٹن اچھی صورت شکل کی تھی، جامہ زیب شوخ گراماً کرم۔ چمیئی رنگ بڑی بڑی خوشنا آنکھیں سیاہ بھنور تیلی، لمچھوئی ستواں ناک پتلے پتلے پتلے ہونٹ، تنہا سادہ نہ، دانت جیسے موئی کی لڑکیاں نہ بڑے بہر کے ہونٹوں کے باہر نہ جو میا کے سے چھوٹے، پتلی صراحی دار گردن، اسم باسمی بونا ساقدہ نہ بہت لمبا نہ ٹھکنا دیں دُول بھی خاصہ، نہ دُبلی دُق زدہ نہ موئی بھستری۔ بہرے بہرے دیہاتوں کے ایسے بازو بھری بھسری گول کلائیاں غرق کر نکھ سلکھ سے درست تھی، خدا انظر پر سے بچائے۔ اگرچہ دیہات میں پلی پسی تھی مگر چالاکی شوخی شرارت رگ رگ میں بھری تھی۔ ماں باپ کی ایک اکلوتی بیٹی آنکھوں کی اکلوتی بیٹی حد سے زیادہ لارڈ پیارہ تھا۔ جس بات پر ہٹ کرے کہ کے چھوڑے، جوزبان سے نکل جائے ہو کے رہے۔ زینب بلیم کہ یہ دلار ناگو اہمود ایک دفعہ لوٹ کا بھی مگر روک ٹوک ماں باپ

کو ناگوار ہو۔

بُون کی ماں۔ (ہر مزی کی ماں سے) کہتی تھیں چھ سات لڑکے لڑکوں میں ایک یہ ہے خدا اس کو جلا دے۔ ہم تو اولاد کی طرف سے اپنے ڈرے ہوئے ہیں کہ اب کچھ بھے کہنے کو جھی نہیں چاہتا۔ لے لو اس کی جان سے دُور سات سمندر پار اس کے اوپر کی جو رُٹ کی تھی ایک دن باپ نے گھر کا، دوسرے دن بخار چڑھا پھرنا اُترا۔ آخر قمریں تو پ کے چلے آئے۔ اور گھر کو!۔ اُس سے پہلے ایک لڑکے کو خوب پڑھایا کھایا۔ مولوی (خدا غارت کرے)، بچے کو جب نہ تب مار بیٹھتے میں بُون کے باپ سے کہتی تھی کہ لڑکے کو مکتب سے اٹھالو، میری اولاد بے غیرت نہیں ہے جان جائے گی آخر پڑھانے کی دھن میں ان کو نہ سو جھی، لڑکے سے ہاتھ دھو بیٹھ، وہ ایک فقیر میری شادی ہوئے نے ایک برس پہلے کہہ گیا تھا کہ اس لڑکی کے اولاد میں ہوئی مگر مر جائیں گی اس کی اولاد مار نہیں کھا سکتی۔ با جھی فقیر کی بات پتھر کی کیر مود گئی، میرے تو جتنے لڑکے لڑکیاں گیئں مارا در گھر کی لے گئیں، میں کنجخت کیا جانتی تھی نہیں تو پھوٹ کی چھڑی نہ چھواتی، آدھی بات نہ کہتی، اسی سے میری بُون خدار کھے چاہئے جتنی شو خی کرے۔ اولاد ہے لوگیا ہو ابڑا لگتا ہے مگر مامتنا منہ کھلنے ہاتھ اٹھنے نہیں دیتی، بُون کے باپ کو پہلے سند نہ تھی مگر اب وہ بھی سمجھے گے ہیں اب سمجھے تو کیا سمجھے۔

ع۔ اب پہتائے کیا ہوتا ہے جب چریاں چک گئیں کھیت

با جھوٹ سے اُسوقت گھر بھرا ہوا تھا۔ ہم نے خود اپنے ہاتھوں بچوں کو گنوایا۔

غصب یہ تھا کہ یہ سب باتیں بی بُون سنتی تھیں اور خوش ہوتی تھیں خوب کر کر لگانی پھرتی جیسے الیں بچھری، دن دوسری رات چوگنی ہوئی جاتی تھیں، خیرت تھی کہ بُون نے ان دلوں ماں بیٹیوں کو نہیں ستایا اُس کو ہر مزی سے مجبت ہو گئی جسے ہر مزی آئی تھی یہ لڑکی کسی دقت اُس کو نہیں تھوڑی تھی۔ لکھنؤ کی ایک ایک بات

پوچھتی تھی، کہیں شاید دس گیارہ برس کے سن میں لکھنؤ میں تین مہینہ رہی تھی، اُسکے ایک ایک بات بارہ بڑی اور وہ جو کہا میں میں ہے۔ ایک بارہ دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوں ہے۔“ دہی اس کا حال تھا۔

دیہات میں زیادہ پرداہیں ہوتا نہ اس قدر راستوں میں مجمع ہوتا ہے۔ نہ غربیہ کاشتکار کسی کی بہبیٹی کو بُری نظر سے دیکھئے کا شوق رکھتے ہیں کیونکہ ان کی عورتیں خود کو سوں اکیلی بکل جاتی ہیں بلکہ دیہات میں دوسرے کی بہبیٹی کو اپنی سمجھتے ہیں چمار بھی نبڑاہ کی لڑکی کو اپنی بیٹی سمجھتا ہے۔ بیٹالہتا ہے۔ اکثر فصلیں کٹ چکی ہیں پچھہ کسی جاتی ہیں۔

بوُن زراعت کے کاروبار سے زیادہ دافت تھی وہ ہر مرزی کو ایک ایک کھیت کی باتیں بنانی جاتی ہے۔ بوُن ہر مرزی کو ساحلے کے گھر سے بکلی۔ قریب شام۔ عجب لطف کا سماں تھا اُتر کی طرف گمایوں پہاڑ کا سلسلہ تمام انق کو گھرے ہوئے ہے۔ معلوم ہوتا ہے بہت ہی قریب ہے حالانکہ تیس چالیس میل کا فاصلہ ہے کوہ منصوری کا جس کا نام کرہ اختری سے بارہا سنا تھا وہ اسی سلسلہ میں ہے۔ اسی پہاڑ کے دامن میں کہیں اختری کی والدہ آرام کرتی ہیں قیامت کی صبح کو اٹھیں گی۔ چاروں طرف جد ہر نگاہ جاتی ہے سرسبز کھیتیاں نظر آتی ہیں کہیں گئے (اوکہ جس کو وہاں شاید اکیھے) کے کھیت کہیں چنتے اور مرڑ کے کھیت۔ اس میں ان کے درمیان سے نہر گنگ لہریں لیتی سیدھی بستی چلی گئی ہے۔ بوُن نہر کے کنارے لے گئی ایک تربوز کسی گنوار سے ہول لے کے نہر کے کنارے بیٹھ کے کھایا چھڈ کا غالی کر کے نہر میں چھوڑا گیا۔ بوُن یہ چھڈ کا بہتا ہوا تھوڑی دیر میں رُڑ کی پنج جائے گا۔ اگر چھوڑی سی ناف ہوئی تو ہم گھنٹہ بھر رُڑ کی پنج جاتے۔ یہاں سے یہ میں کوس بہاؤ کی طرف سو لاپتی ندی ہے سُنٹی ہوں اُس کی بالو سے سونا مکلا ہے۔ چلو ایک دن چل کے بال سمیٹ لائیں سُزار سے گلوا کے بالیاں بنوائیں۔ ہر مرزی میں کے چپ ہنور ہی۔ اُسی ندی پر سے یہ نہر جاتی ہے۔

ہر مزی۔ ہاں میں نے کتابوں میں اس کا حال پڑھا تھا، یہاں آئے دقت دیکھا  
کوئی آدھ کوس کا مل ہے (ہر مزی جغرافیہ جانتی تھی)، یہ تربوز کا چھلکا اگر یوں ہی بہتا چلا  
گیا تو چار پانچ دن میں کا نپور پہنچ جائے گا۔ اگر ہم بھی اس چھلکے کے ساتھ بہتے ہوئے  
جائیں تو کامنور میں داخل ہوں وہاں سے نو آئے دے کے لکھنؤ پہنچ جائیں۔

بوٹن۔ لکھنؤ کا نام سُنتے ہی میری اچھی باجی مجھے لیتی چلو۔

ہر مزی۔ ہاں ہاں چلنا۔ مگر تم اپنایہ چبلائیں چھوڑ دو۔ لکھنؤ میں لوگ نام رکھیں گے۔  
بوٹن۔ خفا ہو کے۔ مجھے کوئی سکیا نام رکھے گا۔ دس کو تو میں نام رکھ کے چھوڑ

دوں۔ اچھا چلو ہمیں پیران کلیسر دکھالا ہیں جو مراد مانگی پوری ہو گی۔

ہر مزی کو ان باتوں کا اعتقاد نہ تھا مگر بوٹن کی خاطر سے ساٹھ ہو گئی۔

واقعی یہ سیر کی جگہ تھی، اونچے اونچے گھنے درختوں میں نجتہ عمارت چار دیواری  
مقبرہ کا گنبد، صحنیاں حجرے صاف سترے۔ مگر خالی پڑے ہوئے۔ صرف دو ایک مجاہد  
دو چار پیسوں کی طلب منفردی کے کھڑے ہو گئے ہر مزی یہ سب دیکھ کے بہت خوش  
ہوئی۔ پھر ہیاں سے تھوڑی دور امامزادے مزار اونچے یا ٹیکرے پر ہے شاندار  
گنبد چوڑی سے نظر آتا ہے، چاروں طرف چوڑا نجتہ چبوترہ، اس دقت بڑی لفتری  
کا مقام تھا چاروں طرف میدان۔ بوٹن کا گھر صاف نظر آتا تھا۔ اب رات ہوا چاہتی  
تھی مگر کچھ بخوبی خون نہ تھا، لڑکیوں کو آتے دیکھ کے دو گنوار دل کو پچھے پچھے بھیج دیا تھا،  
خیر دواؤں سیر کرنی ہوئی نہر کو ایک مرتبہ پھر دیکھتی ہوئی چڑائی جلے بعد گھر میں پہنچ

گئیں۔ ہر مزی کو یہ سیر مدت ال عمر یاد رہی۔

زینب بیگم کو سب سے زیادہ بھی خوف تھا کہ کہیں صاحبزادی میرے ساتھ لکھنؤ

چلئے پڑے فند کریں تو سخت مشکل مونگی آخر دہی ہوا۔ زینب بیگم کو جس بات کا خوف تھا۔

خون اس لئے زیادہ تھا کہ صاحبزادی کا جو چلنا ہوا ساتھا۔ وہاں کوئی تھا ہیں

مگر جہاں کسی نوجوان ہم سن کو دیکھاتا ک جانک اشارہ پازی، آنکھ مار دینا، منہ چڑھا دینا۔ پاس آیا تو چلی لے لی کچھہ نہ ہوا تو کوئی چیز کھینچ ماری یہ گنوار لوگ تھے دوسرے محسن علی کا دبادھتا۔ ہنس کے چپ ہو جا تھے۔ یا اگر کوئی دیکھتا نہ ہوا انہوں نے بھی نجماں ڈال دیں، اشارہ کا جواب اشارہ سے دیا۔ یہ قواعدہ ہے کہ رسم ہند کی اڑکی بھی کسی کو چھڑے تو وہ بھی چھڑے بغیر نہ رہے گا۔ جب عورت آپ سے گرے تو مرد کیا کر سکتا ہے کہاں تک خاموش رہ سکتا ہے۔ ہر مرد حضرت یوسفؑ نہیں اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر جناب یوسفؑ کی عصمت گویا ایک عام واقعہ تھا الغوز بالللہ!

بوئن دہر مزی کے پیچے پڑ گئی، ابھی با جی مجھے لکھوں لیتی چلن۔

زینب بیکم نے کہا تو غضب ہوا میں بانٹی کہ یہ بلا میرے پیچھے چھٹ جائے گی تو کبھی یہاں آئے کا ارادہ نہ کرن۔ خدا جانے لکھنؤ میں جا کر کیا گئے کریں۔ میرے لئے تو کلنگ کا ٹیکا ہو جائے گا۔ زینب بیکم نے لاکھ ملا مگر وہ ہر مزی کی منت کرنے لگی، با جی میری اچھی با جی بچپی سے کہہ کے مجھکو لکھنؤ پئنے ساتھ لے چلو۔ ادھر ماں باپ کی خواہش ظاہر ہوئی۔ کیا مخالفت ہے، بوئن ایک ہمیشہ کے لئے لکھنؤ ہوئے۔ وہاں کی صبحت سے ذرا شہر میں رہ کے تمیزداری آجائے گی۔ ماں باپ کو ہر مزی کا نیک روایہ دیکھ کے یہ خیال ہوا تھا، کہ اُس کے ساتھ رہنے سے لڑکی سکھڑ ہو جائے گی، سوندھ جائے گی۔

ماں۔ ما شار اللہ بوئن کافیں اپنا ہے، یہاں کوئی سکھا لے والا نہیں درنے سے پرداز کا کام چکن کا دانی بٹ کی او گیاں، او نی کام کی، یہ سب کام جلدی سے سیکھ لے گی، بیٹی ذات کے لئے کسی ہنر کا ہاتھ میں پڑا رہنا اچھا ہے۔

باپ۔ با جی آپ کو زیادہ تکلیف نہ ہو گی، میں بوئن کے خرچ کا انتظام کئے دیتا ہوں۔ ذرا ہر مزی کے ساتھ رہ کے اس کو تمیز آجائے گی کوئی ہنر سیکھے جائے گی۔

زینب بیکم۔ بھیا اب ایسے بھی ہم گئے گزرے ہنیں ہیں کہ بوٹن کو دو روپیاں نہ کھلا سکیں گے۔

محسن علی۔ ہنیں با جی میں تمہاری طبیعت سے خوب واقف ہوں، جیسے ہر فرنی ویسی بوٹن اچھا تھیں رکھ لاد۔ تمہاری لڑکی ہے مجھے کیا اختیار ہے تم میری بھی بڑی نہ۔  
مگر چکے سے بوٹن کو چھپیں، روپے دیدیئے، کیونکہ بیٹی کے چھوڑے پن سے اچھی طرح آگاہ تھے، یہ بھی گوارانہ تھا کہ اس کا جی کسی چیز کو چاہئے اور نہ لے سکے؟ دو نہ میاں بیوی خود بھی ساختہ آتے مگر کھلیتوں کی کٹائی کے دن تھے۔ زیادہ بوجھ بھی زینب بیکم پر ڈالنا اچھا نہ تھا اس لئے دو دن کے لئے ان سب کو پہنچانے کے لئے لکھنؤ آئے اور ایک دن یہاں بھر کے بیٹی کو چھوڑ کے چلے گئے۔

یہاں بوٹن کا ادرا ختری کا سامنا ہوا۔ آخرتی اور ہری مزاج کی لڑکی بھی اوسکے بوٹن کی چکک بٹک آڑا دو پئے غرض کوئی ادا دل سے نہ بھانی، مگر ہر مری سے اُس کو محبت تھی۔ زینب بیکم کو بزرگ جانتی تھی۔ بوٹن ان کی عزیز بھی اور مہماں اس لئے اُس نے بھی خاطرداری کی ایک دن سکفت سے دعوت بھی کی۔ مگر سب ہر مری کے اہتمام سے اکھیں کے گھر میں خود بھی دستر خوان پر بیٹھی مگر بوٹن کی زیادہ بے تکلفی جو بدمیزی کی حد تک پہنچی ہوئی تھی کچھ خوش نہ ہوئی۔

بد تیز دل کا قاعدہ ہے کہ دوسروں کی تحقیر کر کے اپنی شان بڑھانا چاہئے ہیں خود بے دقوف ہیں مگر دوسروں کو بے دقوف جانتے ہیں خود بے تیز ہیں مگر دوسروں کی بے امتیازی ثابت کرنا منظور ہے خود غریب ہیں زیادہ معقد در ہنیں مگر امیروں سے بل کے اُن کی برابری کا دعویٰ۔ ”کیا ہم کوئی سمجھا ج ہیں کیوں دیں کیوں خوش امد کریں؟“ یہ خدا کے بندے یہ ہنیں خیال کرتے کہ اگر کوئی دولت مند ہے یا صاحب علم یا متردر ہے اور تم خود نادار جاہل بے ہشہ تو وہ اپنا مرتبہ گھٹا کے کیوں تمہاری خاطر سے تمہارا

ہمسر بن جائے۔ قدر تا مم اُس کے درست نگہ ہو سکتے ہو تم اُس کے محتاج ہو سکتے ہو  
مگر وہ کب تم سے خوشامد طلب کرتا ہے وہ کب کہتا ہے کہ تم پرے آگے باڑھ پھیلاؤ اگر  
وہ خلوص سے تمہارے ساتھ برابری کا برداشت کرتا ہے اور اخلاقاً تمہاری عزت کرتے ہو کو  
موجود ہے یہ اُس کی نیک فضی ہے تم اس لائیں ہو پھر تم اُس سے جلنے کیوں ہو اسکو  
گھٹانا کیوں چاہئے ہو۔ اگر تم اس کی خوشامد نہیں کرنا چاہئے جس کا وہ تم سے طالب  
نہیں تو وہ تمہاری بجا خوشامد کیوں کرے، وہ تمہارا ناز بردار کیوں ہو۔ یون کے ایسے  
کہرے خیالات تو نہ لئے مگر مجھن شرات اور بد تیزی، بون، دستر خوان پر آئی ہے،  
مالیں مرضیں نام کو نہیں یہ اس نے پکایا ہے۔ پکائے والی سامنے بیٹھی ہے۔ کھانا  
نکال رہی ہے۔ ایک کالی دے کے میری لذکرنی ہوئی تو مومنی کا سر مونڈ ڈالتی، اے  
تو بے جھلاگھی کتنا افراط سے ڈال دیا۔

اختری نے کبھی اپنے کسی لذکر کو آدھی بات نہیں کی تھی۔ پکائے والی کے  
تیور بلگڑے مگر اختری نے آنکھ کا اشارہ دے کے چُپ رکھا۔ پھر دوسرا دفت سمجھا  
دیا بوا امامن یہ لڑکی سخت میہ پھٹ بد تیز ہے تم کو اُس سے کیا واسطہ اگر میں جانتی  
کہ ایسی بیہودہ ہے تو کبھی بات نہ کرنی۔ ہم نے تو ہر قری کی بہن سمجھہ کے خاطرداری  
کی یہ ہرگز اس لائیں نہیں۔

امان - بیوی ذرا دیکھئے آپ نے الک ہو کے کبھی آدھی بات نہیں کی،  
چھوٹتے ہی "حرامزادی۔ سرمونڈ ڈالتی" ذرا یہ زبان تو دیکھئے۔ ہم نے بڑے  
 محل محلات کی لذکریاں کی ہیں شہزادیوں کے دستر خوان سچے یہ بد زبانیاں کبھی نہیں  
سُنیں۔ شاید انہوں نے اپنے گاؤں کی کوئی اماری چماری سمجھہ لیا ہو گا۔ بیوی  
ہم نے ہاتھ پر یہ ہے ذات نہیں بیچی۔ آپ کامنہ کیا، نہیں تو حرامزادی کہنے کامزا  
چکھا دیتی۔

اختری - ہاں ہاں بُو امامن میں سمجھہ گئی۔ میں خود اب اس کو مُمنہ نہ لگانگی۔  
 داقعی بوٹن کے آلنے کے بعد اختری کی آمد و رفت میں کسی قدر کمی ہو گئی،  
 زینب بیکم کو اس کا مال ہوا اور انہوں نے اختری سے معذرت کر کے اپنی مجبوری  
 سے اُس کے لکھنو میں لانے کا حال بیان کر دیا، اختری زینب بیکم سے تو صاف  
 ہو گئی، بوٹن سے اُس کو کچھ سروکار نہ تھا۔ اختری نے کچھ اس طرح کا بر تاو کیا کہ  
 نہ زیادہ خلا ملا بڑھنے پایا نہ کوئی رنجش ہی ظاہر ہوئی۔

---

— ۶۰ —

# بایہ

مرآد علی اپنی بددانی سے اب بھی باز نہیں آتا، خود شید مرزا اُس کے قابو پر جڑھ کے تھے اُس نے کوشش کی کہ اختری پر ڈورے ڈالوں۔ ماؤں اصلیوں کو بہت کچھ دے دلا کے آخر پیام سلام کا سلسلہ پیدا کیا۔ مگر اختری پر اُس کا جادو نہ حل سکا اب وہ در پے آزار ہوا چاہا کسی ناجائز طریقہ سے کامیابی حاصل کروں اُس کی معلوم ہو گیا کہ اختری زینب بیگم کے پاس آئی جاتی ہے۔ اس لئے اُس نے ٹوہ لگاتے لگتے ایک سلسلہ نکال ہی لیا۔ بہت بڑی نفع کی امید کھی اس لئے زرخراج کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ زینب بیگم کے مکان کے برابر ایک چھوٹا سا مکان جو کسی باور جی سکا تھا ہمیشہ کرایہ پر چلتا تھا۔ کرایہ تین روپیہ ماہوار تھا۔ آجکل خالی پڑا تھا یہ موقعہ اسکے خوب ہاتھ آیا۔ رحیم بخش نامی ایک شخص بارہ بنکی کارہمنے والا بدلش معاشر لکھنؤ میں آیا تھا شیخ احمد علی کے نام کا ایک رقمہ ان کے کسی دوست سے لکھا یا تھا۔ مرآد علی نے اُس کو فوراً نوکر رکھ لیا۔

یہ شخص قوم کا بھیارہ عمر بھر بزادی پیشہ کرتا رہا تھا اور اُس کی جور و شرتوں بھیاری کسی زمانہ میں بڑی بدکار آفت روزگار تھی مگر اب خدا جانے سچ یا جھوٹ ج کر آئی اس کے ماوراء جمیر شریف دیوان شریف، رد ولی شریف، باشنا، پکھوچھم، مکن پور، پیران کلیئر مقامات میں جا کے شرف حاصل کیا۔ بڑی نمازی پر ہیزگار حججن کے نام سے مشہور تھی، کہیں فرید بھی ہو آئی تھی، اب کیا پوچھنا۔

توبہ چوں پیر شود پیشہ کن۔ دلآلی

رجیم بخش کو وہ مکان کرایہ پر لے دیا اور رجیم بخش اور شرفوں دنوں اُس کی رازداری میں داخل ہوئے، مراد علی رات کو چھپ کے اس مکان میں جا کے بیٹھنے لگا۔ شرفوں کی بدولت دچکیوں کے سامان روز رات کو موجود رہتے تھے اکثر وہی رہتا تھا، دو منزلہ مکان تھا نبچے کے مکان میں دالان کو ٹھرمائی کھاری پانی کا کنوں یہ سب رجیم بخش اور شرفوں کی ضرور توں کے لئے کافی تھا۔ کوئی پر ایک کمرہ مشی جی (مراد علی) کے روزانہ شراب خواری بدقصری کے لئے بہت مناسب اور موزوں تھا، مراد علی اپنے مطلب کے حامل ہونے کی پوشیدگی کو زیارت ضروری سمجھے ہوئے تھا۔ اس لئے جو کچھہ کرتا تھا بہت پوشیدہ، رجیم بخش اور شرفوں بڑے سختہ سکارہ رازوار ہاتھ آئئے تھے، جملہ یہاں کم اوقات تھوڑے سے خرچ پر بڑے بڑے کام کرنے والے آئندہ انعام کے امداد اپنے پیشہ میں جو درمیان دونوں طاق پورے مشاق، اگر میاں زمین میں گھس کے پتال کی خبر لائے والا تو جو روآسمان پھاڑ کے تمکلی لگانے والی جیسے کٹے کٹنیاں قصہ کہہتا ہے میں سنبھلیں یہ دونوں جور و خاوند میسے ہی تھے۔ جور و خاوند کیسے عمر بھر ناجائز تعلق رہا، اب حجت بننے کے بعد نکاح پڑھالیا تھا کو یا حرام کاری سے تائب مگر دوسرا ملا دیئے میں جواہدہ غیر شرعی طریقہ سے کیوں نہ ہو شر جوں کا واپس ملتا ہے یہ اعتقاد اور یہ چال خلن لوگوں کے دکھانے کے تھے سوداگر بنے۔ سنگی گلبدن محمودی نہیں دوڑئے کے ہفان ایک بچھے میں باندھ کے رکھ چھوڑے، کبھی کبھی پھری کو بھی نکلتے ہیں۔ یہ مراد علی کی رازداری کا پردہ ہے تاکہ محلہ والے نہ بھانپیں درست ایسے بدمعاشوں کو محلہ میں کون رہنے دیتا ہے فرا اٹھا دئے جاتے ہیں۔ بی شرفوں بھی گھروں میں کپڑا بیچنے کے ہیلہ سے جاتی ہیں پرانی بہو بیٹیوں کو بدہا کرنے بھگانے جانے کا اچھا خاصہ سامان کر لیا گیا ہے مگر ہر کسی کا کٹا پا بالفعل منظور نہیں، مشی جی کا

کام ہو جائے تو زندگی بھر کی رو میاں ہو جائیں گی، خورشید مرزا کے محل میں گھنے کی تو  
جرارت نہیں ہوئی اس لئے دار بخش کا لے ناگ کی طرح دن رات پھرے پہنچتے رہتے  
تھے، اونکھے ضرور تھے مگر ذرا سی پاؤں کی آہٹ سے چونکہ پڑتے تھے۔ ان کو تاکید  
کرنی کوئی ابھی عورت گھر میں نہ جانے پاے، قدیم مہترانی دھوپن کنجھڑے کے سوا  
کوئی جانے نہ پتا تھا۔ جب سے میاں جان کا اشغدہ الھا تھا تاکید زیادہ ہو گئی تھی،  
ذینب بیکم کا گھر عزیب کا گھر تھا۔ یہاں شرفت آئے جانے لگی۔ اختری پر تو ان کی نظر  
نہیں پڑی بوسن کو اپنے دھب کا پایا۔ مراد علی سے تعریف کر کے پورا مشتاق بنادیا  
بوٹن بے چین طبیعت کی بھی کسی نہ کسی طرح مراد علی نے ایک جھلک دیکھنی کھلی۔ اختری  
سے صرف روپیہ کی طمع میں ملا چاہتی تھی یہاں محض صورت شکل پر فریفته ہو گئے۔ شیر کا  
شکار نہ ہو سکے تو لوٹری ہی ہی دار خالی نہ جائے۔ بوسن پہلے ہی سے عاشق تھیں  
شرف سے دددو باتیں ہو رہی گئیں اس طرح کہ کسی کے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوئی کوٹھے پر  
چھڑھ کے مشی جی سے آمنا سامنا اشارے بازی ہوئی بعطر پان پھول مٹھائیوں کے  
دہلانے۔

### قول و اقرار چاہ کے وعدے + زندگی بھرنیا کے وعدے

یہ سب کچھ ہوا۔ بالنس کی سیر ٹھی تیار ہوئی، پورے سامان بھاگ جانے اور بھگا لیجانے  
کے ہو گئے۔ بوسن سمجھتی تھی اس بالنس کی سیر ٹھی سینچے اتر لے نکی دیہے بھر مجھے  
کون پکے گا۔ ناجربہ کاری الھڑن پ طبیعت کی شوخی چالاکی اُکسار ہی تھی۔ مگر مراد علی  
ایسا بے دوقت نہ تھا جو محلہ میں زیر دیوار یہ جرأت کر سمجھتا دہسرے اختری کی  
طرف سے ابھی بالکل مالیہ س نہ تھا اور ہر حیم بخش اور مشرف ددوں ہر ہڑا گئے بنشی جی  
ذراسوچ سمجھہ کے کام کرنا چاہتے ہم دونوں فوراً گرفتار ہو جائیں گے۔ پہلے ہم کو  
بھاگ جانے دیجئے پھر اپنا کام کچھے۔ مشکلیں دو مردموں تھیں، فکر یہ تھی کہ